رباعیات

میر انیس

تعارف

میر انیس کی پیدائش

میر ببر علی انیس ۱۲۱۶ھ یا ۱۲۱۷ھ میں بمقام فیض آباد (بھارت) محلۂ گلاب باڑی میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے والد رہتے تھے۔ اپنے والد ہی کے سایۂ عاطفت میں تعلیم و تربیت پائی۔ لکھنؤ میں اس وقت آئے جب ان کے بڑے صاحبزادے میر نفیس پیدا ہو چکے تھے۔ چھوٹے بھائی انس ہمراہ تھے۔ ابتدا میں فیض آباد کے تعلقات بالکل منقطع نہیں ہوئے۔ اس وجہ سے کہ باپ اور بھائی وہیں رہتے تھے۔ مگر جب بعد کو پورا خاندان لکھنؤ چلا آیا تو یہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابتدائی کتابیں مولوی حیدر علی صاحب سے اور صدر امفتی میر عباس صاحب سے پڑھی تھیں آپ ورزش کے بہت شائق تھے۔ اور فنونِ سپہ گری میر کاظم علی اور ان کے بیٹے میر امیر علی سے حاصل کئے۔ جو اس فن میں اس زمانہ کے استاد مانے جاتے تھے۔ فنِ شہسواری سے بھی واقف تھے۔ فنِ سپہ گری کی معلومات، جنگ کے مناظر وغیرہ دکھانے میں بہت کار آمد ثابت ہوئے حسنِ تناسب کو بہت ہی پسند کرتے تھے خواہ وہ انسان میں ہو، خواہ کسی دوسری شئے میں، اس کی دل سے قدر کرتے تھے۔ ان کو اپنی عزتِ خاندانی پر بڑا فخر تھا۔ اور خودداری کا اور عزتِ خاندانی کا ہمیشہ خیال رہتا تھا۔ وضعدار بھی بہت بڑے تھے۔ ملنے جلنے میں رکھ رکھاؤ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک وقتِ معینہ پر لوگوں سے ملاقات کرتے تھے۔ کوئی شخص حتیٰ کہ ان کے گھر والے بھی بغیر اطلاع ان کے پاس نہیں آسکتے تھے۔ امرائے سے بہت کھنچ کر ملتے تھے۔ یہاں تک کہ بادشاہِ وقت کے پاس کبھی اس وقت تک نہیں گئے جب تک ایک معتمدِ شاہی ان کو لینے نہیں آیا۔ وہ اپنی عزتِ خاندانی اور عزتِ پیشہ کو سب باتوں پر مقدم سمجھتے تھے۔ آئین وضع داری کے بہت سختی سے پابند تھے۔ جس کو انھوں نے اپنے اور اپنے احباب اور ملنے والوں کے لئے مقرر کر لیا تھا۔ وضع اور لباس بھی خاص تھا جس کو انھوں نے عمر بھر نبھایا۔ لوگ جس طرح ان کے کلام کی عزت کرتے تھے اسی طرح ان کی پابندیٔ وضع کے بھی قدر دان اور مداح تھے۔ کبھی کسی کی تعریف میں، یا روپیہ کی لالچ میں ایک حرف زبان سے نہیں کہا۔ البتہ امرائے لکھنؤ جو ہدایا و تحائف مداحِ آلِ رسول سمجھ کر پیش کرتے تھے۔ اس کو قبول کر لیتے تھے۔

میر انیس لکھنؤ سے تا انتزاعِ سلطنت کبھی باہر نہیں نکلے جب کبھی باہر جانے کا ذکر ہوتا تو فرماتے کہ اس کلام کو یہی شہر کے لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں۔ اور کوئی اس کی قدر کیا کرے گا۔ اور ہماری زبان کا لطف کیا اٹھائے گا۔ لیکن لکھنؤ کی تباہی کے بعد پہلی مرتبہ ۱۸۵۹ء میں۔ اور پھر ۱۸۶۰ء میں نواب قاسم علی خاں کی طلب اور اصرار سے پٹنہ عظیم آباد تشریف لے گئے۔ اور واپسی میں بنارس میں ایک مرتبہ ٹھہرے تھے۔ اس کے بعد ۱۸۷۱ء میں مولوی سید شریف حسین خاں کی تحریک

اور نواب تہور جنگ بہادر کے سخت اصرار سے دکن حیدر آباد گئے۔ اور لوٹتے ہوئے الہ آباد میں قیام کیا۔ اور ان سب مقامات پر اپنے معرکۃ الآرا مرثیوں سے لوگوں کو مستفیض اور داخلِ حسنات کیا۔ جس مجلس میں پڑھتے تھے لوگ اس کثرت سے جمع ہو جاتے تھے کہ باوجود سخت انتظامات اور پہروں کے بھی چپہ چپہ زمین سننے والوں سے خالی نہ رہتی تھی۔ جب دوسرے شہروں کا یہ حال تھا تو پھر خاص لکھنؤ کا کیا پوچھنا ہے۔ جو قدردانی اور کمال کا سرچشمہ تھا۔ میر صاحب کا انتقال بعارضۂ بخار ۱۲۹۱ھ مطابق ۱۸۷۴ء میں ہوا۔ اور اپنے باغ ہی میں دفن ہوئے۔

میر انیسؔ بحیثیت شاعر

میر صاحب خلقی شاعر تھے۔ اور شاعری ورثہ میں پائی تھی۔ کوئی خاندان اتنا زبردست سلسلہ مشہور اور قابل شعراء کا نہیں پیش کرسکتا۔ لہٰذا جو فخر میر صاحب کو اپنے خاندان پر تھا وہ بجا تھا۔ میر صاحب نے بچپن ہی میں جب کہ فیض آباد میں قیام تھا شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ پہلے حزیں تخلص کرتے تھے جب لکھنؤ آئے تو ان کے والد اُن کو ناسخ کے پاس لے گئے۔ ناسخ نے کہا کہ تخلص کو بدل دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ اور انیس تخلص اختیار کیا۔ میر انیس نے کم سنی سے مرثیہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ اور تھوڑے ہی دنوں کی مشق میں درجۂ کمال کو پہونچ گئے تھے۔ چنانچہ ان کی شہرت ان کے والد ہی کے زمانہ میں ہو چکی تھی۔ جب خلیق اور ضمیر میدانِ مرثیہ گوئی سے ہٹ گئے تو دبیر اور انیس کا زمانہ آیا۔ جنھوں نے اس فن کو معراجِ کمال تک پہونچا دیا۔

تصانیف

میر صاحب نے ہزارہا مرثیے، سلام، قطعات اور رباعیاں لکھی ہیں۔ افسوس ہے کہ اُن کا پورا کلام اب تک شائع نہیں ہوا۔ مگر جس قدر چھپ چکا ہے وہ پانچ جلدوں میں ہے۔ مابقی اُن کے ورثہ کے پاس محفوظ ہے۔ مشہور ہے کہ انھوں نے ڈھائی لاکھ شعر کہے تھے۔ جن میں کچھ غزلیں بھی تھیں جس طرح ان کا کلام لاجواب ہے اُسی طرح اُن کے پڑھنے کا طریقہ بھی لاجواب تھا۔ ان کی آواز، قد و قامت، صورت غرض ہر شئے اِس کام کے لئے موزوں واقع ہوئی تھی۔ پڑھنے کا طریقہ یہ تھا کہ بڑا آئینہ سامنے رکھ کر تنہائی میں بیٹھتے اور پڑھنے کی مشق کرتے تھے۔ میر انیسؔ کا کلام ہموار ہے۔ اور دوسرے شاعروں کی طرح رطب و یابس کا مجموعہ نہیں ہے۔ آدبِ اردو میں میر انیسؒ ایک خاص مرتبہ رکھتے ہیں بہ حیثیت شاعر، اُن کی جگہ صفِ اوّلین میں ہے۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اُن کو زبانِ اُردو کے تمام شعراء سے بہترین اور کامل ترین سمجھتے ہیں۔ اور اُن کو ہندوستان کا شکسپیر۔ اور خدائے سخن۔ اور نظمِ اردو کا ہومر اور ورجل اور بالمیک خیال کرتے ہیں۔

اُردو زبان کی خدمت

میر انیسؒ نے زبانِ اُردو کی بڑی خدمت کی۔ اس کو خوب صاف کیا۔ اور مانجھا۔ ان کا کلام اپنی فصاحت اور تازگی کے لئے مشہورِ عالم ہے۔ وہ صحتِ محاورہ کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اور اس پر ان کو بڑا فخر و ناز تھا۔ لُغات کی معلومات ان کی بہت وسیع تھی۔ الفاظ کی سجاوٹ میں ان کو کمال حاصل تھا۔ بہت سے نئے محاورے اُن کی وجہ سے داخلِ زبان ہوئے۔ اور قدیم محاورات کا صحیح استعمال لکھنؤ کے

بتایا۔ ابتدائی کلام میں کچھ قدیم محاورات پائے جاتے ہیں۔ مگر جوں جوں مشق بڑھتی گئی اور تجربہ وسیع ہوتا گیا اسی قدر کلام صاف ہوتا گیا۔ میر صاحب کی زبان دِلّی اور لکھنؤ دونوں جگہ میں مستند مانی جاتی ہے۔ اُن کا خاندان صحتِ محاورہ کا محافظ سمجھا جاتا ہے۔ میر حسنؔ اور میر خلیقؔ مرحومین مغفورین بہو بیگم صاحبہ کے خاندان کے ساتھ وابستہ تھے۔ مشہور ہے کہ فیض آباد میں ان کے یہاں ایک باقاعدہ دفتر تھا جس میں ایسے محاورے اور مثلیں جو بہو بیگم صاحبہ کے گھر میں بولی جاتی تھیں باقاعدہ درج ہوتی رہتی تھیں اور اس دفتر کے افسرِ اعلیٰ میر حسنؔ اور میر خلیقؔ تھے۔ ظاہر ہے کہ زبان کی صحت و صفائی کے واسطے ان سے زیادہ کون مستند ہو سکتا تھا۔ اردو باوجود اصنافِ نظم کی تنوع اور کثرت کے رزمیہ نظم سے اب تک تہی دست تھی۔ اس میں ہومر کی الیاڈ۔ ورجل کی اینیاڈ۔ ویاس کی مہابھارت۔ والمیک کی رامائن۔ یا فردوسی کے شاہنامہ کی طرح کی کوئی تصنیف موجود نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ زبانِ اردو ایک نوخیز چیز ہے۔ اور اس قسم کی تصانیف رزمیہ کے لئے ایک مدّتِ مدید کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر یہ کمی کسی طرح پوری ہو سکتی تھی تو وہ انیسؔ کے مشہور مراثی سے ہوئی۔ ان کے مرثیوں کی تمہیدیں اور مناظرِ جنگ وغیرہ ایسی اُستادی اور کمال سے لکھے گئے ہیں کہ نظامی کے سکندر نامہ اور فردوسی کے شاہنامہ کا آسانی سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح مناظرِ قدرت اور جذباتِ انسانی جس زور کے ساتھ انھوں نے دکھائے ہیں زبانِ اردو میں اس کا جواب نہیں ملتا۔

مُرقّع نگاری

انیسؔ کو مناظرِ قدرت کی ہو بہو تصویر کھینچنے میں کمال حاصل تھا اس قسم کے بیانات مرثیہ سے غیر متعلق نہیں ہوتے بلکہ اصل مضمون کے تحت میں ہوتے ہیں۔ مگر پھر بھی بالذّات ایک مکمل چیز ہیں جو مرثیہ سے بے تکلف علیحدہ کئے جا سکتے ہیں۔ پورا مرثیہ ایک ایسا مُرقّع معلوم ہوتا ہے جس میں صدہا مکمل تصویریں چسپاں ہیں۔ جو بظاہر ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتیں۔ مگر پھر بھی مجموعی حیثیت سے اسی کُل کے تحت میں سب آتی ہیں۔ مثلاً صبح کا سماں۔ طلوعِ آفتاب۔ نسیمِ سحر کے خوشگوار جھونکے۔ شام کا سُہانا وقت۔ چاندنی کا لطف۔ یا تاریکی کا بھیانک منظر۔ باغ میں پھولوں کا کھلنا اور مہکنا۔ سبزہ کی بہار وغیرہ وغیرہ۔ الگ الگ چیزیں ہیں۔ مگر یہ سب مرثیہ کے جزوِ ضروری ہیں۔

اظہارِ جذبات

مثلِ عالمِ ظاہر کے عالمِ باطن یعنی جذبات کے اظہار پر بھی میر صاحب کو بہت بڑی قدرت حاصل ہے جذبات خوشی و غم۔ غصّہ۔ محبّت۔ رشک و حسد۔ بیم و رجا وغیرہ ایسی اُستادی سے بیان کرتے ہیں کہ دل وجد کرتا ہے۔ ایک اور کمال یہ ہے کہ کہنے والے کی عمر۔ جنس۔ حالت وغیرہ کا پوری طرح خیال رکھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر کسی بچّہ کی زبان سے کچھ الفاظ کہے گئے ہیں تو خیالات اور زبان دونوں بچّوں ہی کے ادا کئے جاتے ہیں۔ وہ کبھی اس نازک فرق کو نظر انداز نہیں کرتے۔ جس سے ان کی اصولِ ڈرامہ نویسی کی کماحقہٗ واقفیت کا اندازہ اچھی طرح کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے مختلف رشتوں کے نازک فرق کو بھی بدرجۂ اتم ملحوظ رکھتے ہیں۔ معرکۂ جنگ میں مبارزوں کی رجز خوانی حریف کا جواب۔ حملہ آوروں کے حملے۔ پہلوانوں کی لڑائیاں۔ سامانِ حرب و ضرب علیٰ قدرِ مراتب اس خوبی سے دکھاتے ہیں کہ میدانِ کارزار کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ تلوار اور گھوڑے کی تعریف ہر جگہ نئی تشبیہ سے کی ہے جو نیا لطف دیتی ہے

مرثیوں میں تسلسلِ بیان ایک حیرت انگیز چیز ہے۔ جو میر صاحب کے یہاں بخوبی موجود ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مولوی عبدالغفور صاحب نساخ نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں انھوں نے میر انیس صاحب اور مرزا دبیر صاحب رحمۃ اللہ علیہم کی مرثیوں کی غلطیاں دکھائی ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کے طرف داروں نے بھی اس کے جواب میں رسالے لکھے جس میں ان الزامات کا جواب دیا ہے ——— میر انیس اور مرزا دبیر اعلی اللہ مقامہما کے مرثیے اصلی حالت میں اور صحیح طور پر نہیں چھپے۔ اُن میں کچھ کتابت کی اور کچھ ان لوگوں کی حسبِ موقع تحریفیں ہیں جنھوں نے مرثیے پڑھے۔ کہیں کہیں پرانے محاورات بھی ہیں۔ جو اُس وقت رائج تھے۔ اب متروک ہوگئے ہیں۔ بفرضِ تسلیم، اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ اُنھوں نے لاکھوں شعر کہے۔ اگر کہیں کہیں فروگذاشت بھی ہوگئی تو اس سے اُن بزرگوں کی اُستادی پر کیا حرف آتا ہے۔

میر انیس کا طرز

میر انیس تخیلوں۔ استعاروں اور صنائع بدائع میں کمال رکھتے ہیں۔ وہ فضول مبالغے اور بے جا اغراق کو ہرگز نہیں پسند کرتے جن کا اس زمانہ میں کثرت تھی۔ صنائع بدائع کا استعمال اس خوبی سے کرتے ہیں کہ جس سے شعر پر کوئی بار نہیں پڑتا۔ اور حُسن بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح ان کی تمثیلیں بھی نہایت حسین اور بہت ارفع اور نہایت آسانی سے سمجھ میں آتی ہیں۔ وہ اُن سے ایک عجیب دلکشی پیدا کرتے ہیں۔ بڑی چیز کی مثال ہمیشہ بڑی چیز سے دیتے ہیں۔ اُن کی تشبیہات کبھی معمولی اور ادنیٰ قسم کی نہیں ہوتیں۔ کلام حسبِ موقع کہیں صاف و سلیس اور کہیں رنگین ہوتا ہے مگر فصاحت اور زور کہیں ہاتھ سے نہیں جاتا۔ بیان میں روانی غضب کی ہوتی ہے۔ فصاحت۔ نشستِ الفاظ۔ سلیس اُن کے کلام میں ملے ہوئے ہیں۔ اشعار بہت صاف اور سلیس اور جلد سمجھ میں آنے والے ہوتے ہیں۔ اور یہ آخری صفت بعض وقت دھوکا دیتی ہے اور عُمقِ معنی کو اس گہرے غار کے پانی کی طرح پوشیدہ کردیتی ہے جس کو صفائی اور موجوں کی روانی نے چھپا دیا ہو۔ اُن کے قادر الکلام ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ایک ہی بات اور ایک ہی مضمون کو اسی سادگی اور دل آویزی کے ساتھ صد بار کہتے ہیں۔ اور ہر مرتبہ وہ نئی معلوم ہوتی ہے۔

میر انیس کا مرتبہ اردو شعرا کی صفِ اولین میں نہایت اعلیٰ و ارفع ہے۔ اُن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اُس زمانہ میں جب کہ تصنع اور تکلف اور مبالغے اور اغراق کا بازار گرم تھا۔ ان کی شاعری جذباتِ حقیقی کا آئینہ تھی اور جس نیچرل شاعری کا آغاز حالی اور آزاد کے زمانہ سے ہوا۔ اس کی داغ بیل میر انیس نے ڈالی تھی۔ انیس نے مرثیہ کو ایک کامل حربہ کی صورت میں چھوڑا جس کا استعمال حالی نے نہایت کامیابی سے کیا۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ انگریزی داں طبقہ میں بہت مقبول ہیں جس کا دماغ معمولی شعر و شاعری کی عطر بیزی سے بعض وقت پریشان ہو کر حقیقی شاعری کی نکہت کے لئے بیتاب ہوتا ہے۔ ان کی شہرت برابر ترقی کر رہی ہے۔ اور ہماری رائے میں اس وقت تک ترقی کرتی جائے گی۔ جب تک زبان اردو ترقی کرے گی ـــ بلکہ اسی وقت انیس کی واقعی قدر کی جائے گی۔ جو جلد مرثیہ کی آپ کے پیشِ نظر ہے اس کو نہایت معتبر نسخوں سے نظرِ ثانی اور صحت کے بعد پیش کیا گیا ہے۔ طباعت میں بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اغلاط سے پاک ہے۔

۱۷۲/م

ہے ہے حسینؑ آپ کا دلبر بچھڑ گیا
ویرانہ ہے شبیہِ پیمبر بچھڑ گیا
واحیف وادریغ دلاور بچھڑ گیا
وا دردا و حسرتا علی اکبرؑ بچھڑ گیا

مظلومیت پہ تشنہ دہانی پہ روئیں گے
جب تک جئیں گے اس کی جوانی پہ روئیں گے

۱۷۳/م

آقا انیس ہند میں کب تک رہے تباہ
کٹتی ہے عمر ہجر میں جاتے ہیں جاں پناہ
ضعف اس برس میں بہت ہے اجل آئے ناگاہ
بلوائیے غلام کو اے میرے بادشاہ

قربِ مزارِ شاہِ دو عالم نصیب ہو
بس کربلا میں اب کی محرم نصیب ہو

سلام

۱
ابتدا سے ہم ضعیف و ناتواں پیدا ہوئے
اڑ گیا جب رنگ رخ سے استخواں پیدا ہوئے

۲
خاکساری نے دکھائیں رفعتیں
اس زمیں سے واہ کیا کیا آسماں پیدا ہوئے

۳
علمِ خالق کا خزانہ ہے میانِ کاف و نون
ایک کن کہنے سے یہ کون و مکاں پیدا ہوئے

۴
ہاتھ خالی آئی انشاؤں پہ شبنم بھی نسیم
پھول بھی اس فصل میں ایسے گراں پیدا ہوئے

۵
نوبتِ جمشید و دارا و سکندر اب کہاں
خاک تک چھانی نہ قبروں کے نشاں پیدا ہوئے

۶
جو میسر تھے گیا دنیا میں لعل اس کی موت
اور لو و مہاجروں کے مہماں پیدا ہوئے

۷
ضبط دیکھو سب کی سن لی پر نہ کچھ اپنی کہی
اس زباں دانی پہ گویا بے زباں پیدا ہوئے

۸
جان دی کا حر نے تو حضرت نے دیا باغِ ارم
میہماں ایسے نہ ایسے میزباں پیدا ہوئے

۹
یک بیک ایسا زمانے میں ہوا ہے انقلاب
قدرداں سب اٹھ گئے ناقدرداں پیدا ہوئے

۱۰
بود و نابودِ علی اصغر کا کیا کیجے بیاں
بے سخن دنیا سے اٹھے بے زباں پیدا ہوئے

۱۱
دیکھ کر لاشوں کو حضرت کہتے تھے واحسرتا
موت لے آئی کہاں ان کو کہاں پیدا ہوئے

۱۲
اعتبارِ جسم کیا انجام کو سوچو انیس
خاک ہونے کو یہ مشتِ استخواں پیدا ہوئے

رباعی

دم الفتِ حیدر کا جو بھرتا ہوں میں
حال آتا ہے دل کو وجد کرتا ہوں میں
ممکن ہے کہاں صفاتِ ہمنامِ خدا
کیا لکھے کہوں فلک سے ڈرتا ہوں میں

رباعی

پروا تیغِ زباں کو سجنے کی نہیں
حاجت طبلِ سخن کو بجنے کی نہیں
دریا ہے ابرِ طبع لیکن ہیں خموش
عادت ہے برسنے کی گرجنے کی نہیں

رباعی

بیجا نہیں مدحِ شہ میں غرّا میرا
سبھری سی کلام ہے معرّا میرا
مرغانِ خوش الحان چمن بلبل کیا
مرجاتے ہیں سنکے روزمرّا میرا

رباعی

ہر سال کوئی کسب ہنر دانی کا ہے
ہر گل کو گلہ کم التفاتی کا ہے
شبنم سے جو وجہ گریہ پوچھی تو کہا
رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

رباعی

ہموار ہے گر تو کچھ بھی باک نہیں
سرکش ہے اگر تو عقل و ادراک نہیں
پاتا نہیں تند خو کدورت کے سوا
دامن میں ہے اسکے کچھ بجز خاک نہیں

رباعی

راہی طرفِ عالمِ بالا ہوں میں
دنیا سے عدم کو جانے والا ہوں میں
یارب تیرا آنا پایا اک جینے کیلئے
گویا اک پردیوں کا بالا ہوں میں

رباعی

انجام بخیر ابتدا بگڑی ہے
گھر گرنے سے کہیں بنا بگڑی ہے
کشتی انہیں ہم کنارہ ہو جائیں
الٹا دریا بہا ہوا بگڑی ہے

رباعی

اندیشہ نہیں کہ کس کفن میں ہوگا
وہ داغ غم سلطان زمن میں ہوگا
جب کٹ کے گرا کربلا میں ٹکڑے ٹکڑے
بلبل کا مزار بھی چمن میں ہوگا

رباعی

اختر صبح کی طرح انجم میں ہیں اکیلے
اسلام کی کشتی وہ کہ بحر میں ہیں اکیلے
اللہ رے لا کلام اس کے سخن میں ہیں اکیلے
ہم میں ہیں اور نہ کوئی ہم میں ہیں اکیلے

رباعی

کیا تاب قلم ہو مدح سر پہ حسینؑ
سردار امم شمع ہدیٰ ہے حسینؑ
جب تیغ کو قاسم کیا اوپر کی راہ عشقؑ
تھا بادشاہ شہیدوں میں سر آمد حسینؑ

رباعی

واصف ہوں عزیز عین بنیان امر اس کا ہوں
بیٹا ہوں بدل جان و دل امر اس کا ہوں
آگے کی نہیں بن آئی ہے دل داغ انیس
قنبر کا جو مولا ہے غلام اس کا ہوں

رباعی

مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رخ سب سے پھر کے منہ دکھایا ہے تجھے
کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر
میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

رباعی

ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اترا
تیرع چڑھی کوئی نہ پروا اترا
تھا کشتیِ احمدؐ سے علاقہ جس کو
دریا سے سلامت وہی بیڑا اترا

رباعی

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لئے
جرأت واجب ہے کج کلاہی کے لئے
لازم ہے کہ ہو اہل سخن تیز زباں
تلوار ضرور ہے سپاہی کے لئے

رباعی

احباب لحد تلک تو پہنچا آئیں گے
کوئی نہ رہے گا سب چلے جائیں گے
تنہائی میں جس وقت پڑیگی مشکل
تب عقدہ کشائی کو امامؑ آئیں گے

رباعی

کفار کا لشکر لب دریا اترا
جو مالکِ کوثر تھا الگ جا اترا
گھوڑے سے جو کربلا میں اترے شبیرؑ
غل تھا کہ زمیں پہ عرش اعلیٰ اترا

رباعی

رک جاتے ہیں نبض دل ناگاں بدلنے والے
سب تھمتے ہیں جو اشک ہیں یاں ڈھلنے والے
اللہ رے سخن کی تاثیر انیس
روتے ہیں مثلِ شمع جلنے والے

۱۷۲

وہ دھوپ وہ اوس آٹھ پہر کا جینا
لی آ کے کسی نے نہ خبر ہائے حسینا
نیزے کی انی اور ترا سر ہائے حسینا
کیوں پھٹ نہیں جاتا یہ جگر ہائے حسینا

کچھ فرق نہ اُس نار میں اور نور میں رکھا
ظالم نے سر پاک کو تنور میں رکھا

۱۷۳

خاموش نہیں ہیں یہ جگر چاک ہے غم سے
بہتا ہے لہو اشک کی جا دیدۂ نم سے
کر عرض بصد عجز شہنشاہ امم سے
مولا مجھے محروم نہ رکھنا کرم سے

کبتک غم دنیا میں گرفتار رہوں میں
آقا تو مرے آپ ہیں پھر کس سے کہوں میں

رباعی

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے
مانند حباب ہستی انساں ہے
لنگر ہے جو دل تو ہے نفس باد مراد
سینہ کشتی ہے ناخدا ایماں ہے

رباعی

کیا فیض علی کے قدم پاک سے ہے
روضہ کی زمیں بلند افلاک سے ہے
بنتا ہے وہاں در نجف قطرۂ آب
پانی کی بھی آبرو اسی خاک سے ہے

رباعی

جو بند کہا مدح حیدر کے لئے
جو بیت کہی وہ خلد کے گھر کے لئے
اس گرمی میں مصروف عرق ریزی ہوں
اب جام شراب حوض کوثر کے لئے

رباعی

جو شئے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے
جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بحر جہاں میں عمر مانند حباب
غافل اس زندگی کو کیا سمجھا ہے

رباعی

رعب شہ ذی جاہ سے تھراتے ہیں
سب طرز غلامانہ بجا لاتے ہیں
آداب یہ ہے کہ تعزیہ خانہ میں
آتے ہیں تو جھک کے علم آتے ہیں

رباعی

اک ایک قدم لغزش مستانہ ہے
گلزار بہشت اپنا میخانہ ہے
مست ہیں محبت ساقی کوثر سے
آنکھیں ہیں شیشے قلب پیمانہ ہے

رباعی

ہشیار کہ وقت ساز و برگ آیا ہے
ہنگام یخ و برف و گرگ آیا ہے
محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا
چلئے اب چوبدار مرگ آیا ہے

رباعی

شاہان جہاں سب ہیں گدائے حیدر
ہے ابر کرم دست سخائے حیدر
یعقوب و خلیل و یوسف و آدم و نوح
سب کی مشکل میں کام آئے حیدر

رباعی

خاموشی میں یاں لذت گویائی ہے
آنکھیں جو ہیں بند عین بینائی ہے
نہ دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد
مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

رباعی

سینے میں یہ دم مثل سحر گاہی ہے
جو ہے اس کارواں میں وہ راہی ہے
پیچھے کبھی قافلے سے رہتا نہ انیس
اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے

رباعی

کانوں میں سدا حرفِ پریشانی ہے
دیکھا جدھر آنکھ اٹھا کے ویرانی ہے
مشہور علاج دردِ سر ہے صندل
یاں خاک لحد صندلِ پیشانی ہے

رباعی

ہر برگ سے قدرتِ احد پیدا ہے
ہر پھول سے صنعتِ صمد پیدا ہے
سینہ ہے بشر کا وہ محیطِ زخار ۱؎
ہر ایک نفس سے جزر و مد ۲؎ پیدا ہے

رباعی

ہاں جوشِ غمِ شہِ عالی ہوجائے
چہروں پہ ان اشکوں سے بحالی ہوجائے
یوں لختِ جگر چشم سے ٹپکیں باہم
[illegible] ذرہ پھولوں کی ڈالی ہوجائے

رباعی

لاریب بہشتیوں کا مرجع ہے یہ
سب جس میں بھرے ہیں عمل وہ مجمع ہے یہ
دیکھے کوئی مومنوں کے چہروں کی ضیا
مانی بھی ہے دنگ وہ مرقع ہے یہ

رباعی

امداد کو شیرِ حق لحد میں پہونچے
اب غم نہیں کچھ کہ اپنی حد میں پہونچے
تربت جو ہوئی بند کھلا خلد کا در
خنداں خنداں جوارِ ۳؎ جد میں پہونچے

رباعی

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا باج نبی
وہ عرش پہ تھا شریکِ معراج نبی

رباعی

[illegible] ہوں نبی کی مداحی ہیں
[illegible] زباں وصی کی مداحی ہیں
[illegible] عمر مثلِ قلم
[illegible] علی کی مداحی ہیں

فرماتے ہیں میں تن کی علی کا سر ہے مرا
اب کہئے کہ زیبا ہے کسے تاج نبی

۱؎ محیطِ زخار یعنی دریائے اعظم

۲؎ جزر و مد کو ہندی میں جوار بھاٹا کہتے ہیں ۱۲

۳؎ جوار بالکسر بمعنی ہمسایہ

رباعی

کیونکر دلِ غمزدہ نہ فریاد کرے
جب مُلک کو چرخِ پیر برباد کرے
مانگو یہ دُعا کہ پھر خداوند کریم
اُجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

رباعی

ہر چند کہ خستہ و حزیں ہے آواز
پر تعزیہ دارِ شاہِ دیں ہے آواز
نکلے نہ اگر گنجِ دہن سے تو بجا
ماتم کے بیان سوز نشیں ہے آواز

رباعی

بالیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا
ظلِ علمِ صاحبِ معراج ملا
ممتاز نشست سرِ حضرت کا علم
اب چاہیئے کیا تخت ملا تاج ملا

رباعی

انسان ذی عقل و ہوش ہو جاتا ہے
اور صاحبِ چشم و گوش ہو جاتا ہے
گر جان نہیں سخن تو بتلائیے پھر
کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

رباعی

مُنہ چاہیئے وصفِ رخِ اکبرؑ کے لئے
تھا حُسن اُسی سروِ سمن بر کے لئے
نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تارِ رگِ گل چاہیئے مسطر کے لئے

رباعی

عمر اپنی غمِ شہ میں بسر کر لے تو
آنکھوں کو بھی آنسوؤں سے تر کر لے تو
رکھ ہاتھوں کو اپنے شغلِ ماتم میں سدا
پھر قصرِ جناں انیس گھر کر لے تو

۱۰۰

شہ لاشوں کو بھانجوں کی اٹھاتے ہوئے آئے
لاشوں کو عبا ہی اوڑھائے ہوئے آئے
دونوں کو عبا پہ لٹائے ہوئے آئے
آنسو رخ انور پہ بہائے ہوئے آئے
زینب کے قریں سر کو جھکائے ہوئے آئے

فرمایا بہن اب نہیں آغوش میں لو تم
دو شیر مرے مر گئے پرسا مجھے دو تم

۱۰۱

وہ بولی کہ ہے ہے یہ نہ فرمائیے بھائی
حضرت سے کہاں لال کہاں میری کمائی
سر دیں پہ یہ عزت مرے فرزندوں نے پائی
گر جان غلاموں نے گنوائی تو گنوائی

ماتم کا بھلا گھر میں یہ سامان کروں گی
لاشوں کو بھتیجوں پہ میں قربان کرونگی

۱۰۲

کیوں بیٹوں پہ بے صبر بنوں میں نہیں روؤں
اکبر جسے صغریٰ کی خلش ہے نہیں روؤں
ہو نیند میں مضطر نہیں روؤں
بھائی یہ نہ ہوگا کہ میں دیکھ کر انہیں روؤں
دیکھوں انہیں یا

ان دونوں کا ماتم تو نہ زنہار کروں گی
ہاں آپ کے فدیوں سے نہیں پیار کرونگی

۱۰۳

پھر لاشوں کو لیا ہاتھ بڑھا کر
ہر ایک کا سر زانو پہ رکھا
لپٹا کے گلے پیار سے با حال مکدر
سینہ سے لگایا کبھی شبیر کی خاطر
تھا شور کہ کس کی لگی

سب کہتے تھے کچھ منہ سے نہ فرماتی تھی زینب
غش آتا تھا جب لاشوں پہ جھک جاتی تھی زینب

۱۰۴

منہ ڈھانپ کے عباس کی صدا آئی یہ رو کر
سر لئے با سر عریاں
بیٹوں پہ روتے ہوئے
فرزندوں کو جی بھر کے کلیجہ نکل جائے
ایسا نہ ہو گھٹ گھٹ کے

اولاد کسی کی نہ جدا ہووے کسی سے
بیٹی کوئی اس داغ کو پوچھے مرے جی سے

۱۰۵

زینب کی صدا سن کے بڑا اور بھی کہرام
ہے کہ نہیں طاقت اظہار
خاموش انیس اب کہ سخن ختم ہے شام
حال ... نظم کیا ... دنیا میں کوئی کام
اس کام سے بہتر نہیں

عزت مری اللہ کو منظور نظر ہے
شبیر کے مداح کا فردوس میں گھر ہے

رباعی

غافل تجھے کیوں خواہش دنیائے دنی ہے
پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غنی ہے
جو قاقم و سنجاب پہنتے تھے ہمیشہ
سوتے ہیں تہ خاک گلے میں کفنی ہے

رباعی

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے
حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

۱۰۰

جس بھائی کا بھائی نہ ہو مردہ ہے وہ بھائی
معلوم ہوئی اب ہمیں بابا کی جدائی
تھی یادِ حسن کی تری الفت نے بھلائی
گویا یہ ہوئی آج مرے گھر کی صفائی

بس اب مرے جینے کا سہارا نہیں کوئی
یوں کہنے کو سب ہیں پہ ہمارا نہیں کوئی

۱۰۱

حسینؑ نے یہ کہا اور آنسو ہوئے جاری
غش میں کہا روتے ہو غریبی پہ ہماری
سوکھی تھی زباں تن کی رگیں کھنچی تھیں ساری
بولا نہ گیا کچھ پہ کراہے کئی باری

بوسے قدمِ شاہ پہ دینے لگے عباسؑ
صدمہ جو ہوا ہچکیاں لینے لگے عباسؑ

۱۰۲

سر کے نکلنے کا ابھی ہے صدمۂ جانکاہ
کانپے کبھی کروٹ لی کبھی اور کبھی آہ
جب آنکھ کھلی یاس سے دیکھا طرفِ شاہ
بولے دمِ آخر کہ نثار شہِ ذی جاہ

روتے رہے شاہِ شہدا مر گیا بھائی
آغوش میں بھائی کے سفر کر گیا بھائی

۱۰۳

خاموش انیس اب کہ تڑپتا ہے دلِ زار
کافی ہے رلانے کو تری درد کی گفتار
اس جنس کا گر آج نہیں کوئی خریدار
فیاض ہے لیکن شہِ مظلوم کی سرکار

افسردہ نہ ہو غنچۂ امید کھلے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا

رباعی

خورشیدِ فلک برجِ شرف میں ہوگا
گوہر معدن میں یا صدف میں ہوگا
مشرق میں کہیں مغرب میں کرو دفن اسے
جو عاشقِ حیدر ہے نجف میں ہوگا

رباعی

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے
پیری میں بشکلِ نوجواں پھرتا ہے
عرصہ یہ جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر
خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

رباعی

وہ شاہ کہ آشنا ہوا جس سے لعابِ نبیؐ
اور عرش پہ تھا شریکِ معراجِ نبیؐ
دنیا میں یہ تین تھے علیؑ سر سہرا
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاجِ نبیؐ

رباعی

یارب کہیں جلد وہ زمانہ ہووے
بندہ سوئے کربلا روانہ ہووے
لیکن یہ دعا ہے یا مجیب الدعوات
جانا ہووے تو پھر نہ آنا ہووے

رباعی

گزرے ہر دم مرا ارادت میں تری
گردن ہی جھکی رہے عبادت میں تری
یارب مجھے طول عمر دے تو لیکن
وہ عمر جو کام آئے اطاعت میں تری

رباعی

انساں ہی کچھ اس دور میں پامال نہیں
یہ بھی کوئی آسودہ و خوش حال نہیں
اندیشۂ آشیان و خوف صیاد
مرغان چمن بھی فارغ البال نہیں

رباعی

جب وارد حشر رونے والے ہوں گے
شاہ شہدا کے سب حوالے ہوں گے
جنت جاگیر میں ملے گی سب کو
نامے اعمال کے قبالے ہوں گے

رباعی

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے
جاگو جاگو کہ خوف اسی راہ میں ہے
اٹھو اٹھو یہ خواب غفلت کب تک
دیکھو دیکھو اجل کمیں گاہ میں ہے

رباعی

یہ چرخ کہن کے جابجا پھرتی ہے
پھرتے ہیں جدھر ساتھ قضا پھرتی ہے
فریاد کناں برائے ہر دانۂ رزق
یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

رباعی

قطرے ہیں سب جس کے وہ دریا ہے علیؑ
پنہاں ہے کبھی تو گاہ پیدا ہے علیؑ
ہوتا ہے گماں خدا کا جس پر ہر بار
اللہ اللہ ایسا بندہ ہے علیؑ

رباعی

کعبہ کو ید اللہ نے آباد کیا
بت توڑ کے مصطفےٰ کا دل شاد کیا
اللہ رے جلال اسم اعلائے علیؑ
اصنام کو اس نام نے برباد کیا

رباعی

ہر غنچہ ہے شاخ گل پہ یوں اندر کف
ہے روز خلافت شہنشاہ نجف
حیدرؑ ہوئے جانشین خاص نبوی
ہے آج طلوع نیر برج شرف

رباعی

مولد جو وہاں مکہ قادر سے پایا
کعبے نے شرف علیؑ کے در سے پایا
گودی میں نبیؐ لے کے یہ کہتے نکلے
لو ہم نے وصی خدا کے گھر سے پایا

رباعی

اس وقت سرور و فرحت اندوزی ہے
ہر دل مصروف جشن نوروزی ہے
ہے آج سے دور شاہی شاہ نجف
ہر رنگ بہار فتح و فیروزی ہے

رباعی

عرفان اصل میں تو محبت حیدرؑ ہے
ایمان نور محبت حیدرؑ ہے
دوزخ ہے عداوت علیؑ کا بدلہ
فردوس بہار الفت حیدرؑ ہے

رباعی

گردوں پہ ملک ہیں نوحہ خوانِ حیدرؑ
ذاکر بھی ہیں یاں مصروفِ بیانِ حیدرؑ
ہر گھر میں ہے آج بزمِ ماتم برپا
روتے ہیں یہاں جمیع شیعیانِ حیدرؑ

رباعی

بانو کہتی تھی ہائے اصغرؑ نہ رہے
غم ہے کیا ہم شکلِ پیمبرؐ نہ رہے
ہو کر چھ مہینے کے گئے دنیا سے
گھر میں مرے سال بھر بھی اصغرؑ نہ رہے

رباعی

جب ذبح حسینؑ ذوی الاکرام ہوا
ماتم کا حرم سرا میں کہرام ہوا
آئی تھی یہ شیعوں کے تنِ بے سر سے صدا
اب بخششِ امت کا سرانجام ہوا

رباعی

روتے ہیں فریاد و بکا کرتے ہیں
کیا صبر امامِ دوسرا کرتے ہیں
اٹھارہ برس پالا ہے جس کو بر میں
اس بیٹے کو امت پہ فدا کرتے ہیں

رباعی

دیں ان پہ یہ دم ہیں کہ نوحہ گر ہے اکبرؑ
تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر ہے اکبرؑ
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک اڑا لو لوگو
کل شام سے کھوئے ہوئے سر ہے اکبرؑ

رباعی

مومنو یہ مقامِ بیزاری ہے
روؤ اب وقتِ اشک باری ہے
فاطمہؑ آپ کی ہیں مجلس میں
اب ہو کس کی انتظاری ہے

۹۱

یاں اہلِ بیت میں تو قیامت ہوئی بپا
ہے ہے حسینؑ پیاسے کا لاشہ پہ نعل ہوا
واں شمر لے کے گیسوئے سلطانِ کربلا
لٹکائے سر حسینؑ کا اس فوج میں گیا

پھر چوبِ سناں سے کھینچ کے باندھا سرِ حسینؑ
سب کو بلند کر کے دکھایا سرِ حسینؑ

۹۲

بس اے انیس بزم میں ہے نالہ و فغاں
پوچھو ان کے دل سے جو ہیں سخن فہم و نکتہ داں
حق ہے سنا نہیں کبھی اس حسن کا بیاں
گویا کہ یہ خلیقؔ کی ہے سر بسر زباں

سچ ہے کہ اس زباں کو کوئی جانتا نہیں
جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

رباعی

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں
فرقت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری
اوپر کا دم اس واسطے بھرتا ہوں میں

رباعی

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری
افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری
جنت انعام کر کہ دوزخ میں جلا
وہ رحم ترا ہے یہ عدالت تیری

رباعی

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی
بیگانے سے راحت نہ یگانے سے ملی
حقا کہ ملال نواز ہے ذات تری
جنت انھیں اشکوں کے بہانے سے ملی

رباعی

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری
خلق و کرم و عطا ہے عادت تیری
صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے
دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

رباعی

روتے ہیں پیمبر جو بسر ہوتا ہے
ہر اشک عزادار گہر ہوتا ہے
چہلم کی بھی آئیں ہیں مجالس آخر رو لو
اسبابِ صفر سب کا بھی سفر ہوتا ہے

رباعی

بست و یکم ماہ محرم ہے آج
جب چشم پیمبر کو [illegible] ہے آج
عاشور سے بے دفن ہے لاشہ جس کا
اس بے کفن و گور کا ماتم ہے آج

رباعی

اے یارو محرم کا مہینہ آیا
ہے شیون و غم شاہ مدینہ آیا
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک ڈالو یارو
احمد کا تباہی میں سفینہ آیا

رباعی

جب خاتمۂ شاہ خوش اقبال کیا
اعدائے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دوڑائے چاند سے سینوں پر
سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

رباعی

برپا ہے جہاں عجب تلاطم ہے آج
روتے ہیں سب، دنیا میں خوشی گم ہے آج
چالیسویں تک گڑا نہ لاشہ جس کا
اس بیکس و مظلوم کا چہلم ہے آج

رباعی

عیسیٰ سے بھرا ہوا جو سب زخم ہے
ٹھہرا تلک ہے کیوں انیس پھر کیا ڈر ہے
کچھ غم نہیں بار ایک گو راہ میں اٹھا
شبیر سا دستگیر یاں رہبر ہے

ایک مخفی ہو لی تلوار ابھی باقی ہے
انتقام شہہ ابرار ابھی باقی ہے
مرحب عصر کو معلوم نہیں ہے شاید
آخری حیدر کرار ابھی باقی ہے

اے باغ عسکری کے مقدس ترین پھول
تیرے بغیر ہم کو قیامت نہیں قبول
دنیا نہ مال و زر نہ حکومت کے واسطے
ہم جی رہے ہیں تیری زیارت کے واسطے

تمہارا کام ہے ہم انتظام کرتے ہیں
تری خوشی سے بڑا اہتمام کرتے ہیں
جسے کبھی رنج ملا ہو وہ شوق سے رو لے
ہماری عید ہے ہم جشن عام کرتے ہیں ۔

141

افسوس زمانہ کا عجب طور ہوا
کیوں چرخ کہن آہ نیا دور ہوا
بس یہاں سے کہیں اور چلو جلد انیس
اب یاں کی زمیں اور نہ فلک اور ہوا

238

عباس کو لطف زندگانی نہ ملا
اکبر کو بھی کچھ حظ جوانی نہ ملا
اس موسم گرما میں غضب ہے یارو
شبیر کو تین روز پانی نہ ملا ۔

238

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تُو
آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تُو
ہے قُربِ رگِ جاں سے اس پر یہ بُعد
اللہ اللہ کس قدر دور ہے تُو

69

داماد رسول کی شہادت ہے آج
معصوموں پہ فاطمہ کے آفت ہے آج
جنت میں تڑپتے ہیں رسول الثقلین
حالانِ قیامت یہ قیامت ہے آج

269

دیدار دمِ نزع دکھاتے ہیں علیؑ
ایذا سے محبّوں کو بچاتے ہیں علیؑ
منظور ہے شیعوں پہ نہ ہو سختیِ مرگ
پہلے ملک الموت سے آتے ہیں علیؑ

330

ہے روح الامین علیؑ کے دربانوں میں
خادم بھی ہے کمترین ثنا خوانوں میں
خورشید فلک فخر سے آ ملتا ہے
دن کو ذروں میں، شب کو پروانوں میں

380

دم الفتِ حیدر کا جو بھرتا ہوں میں
حال آتا ہے دل کو، وجد کرتا ہوں میں
ممکن ہے بیاں صفاتِ ہمنامِ خدا
کیا آگے کہوں خدا سے ڈرتا ہوں میں

89

ظلمت کدۂ ہند میں کیا ملتا ہے
نہ دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے
صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو انیس
دُر ایک طرف نورِ خدا ملتا ہے

404

ابن اسد اللہ کا دربار ہے یہ
مجلس نہیں اک تختۂ گلزار ہے یہ
پہلے دُرِ اشک نذر کر لیں بڑھ کر
پھر چاہیں سو لیں سخی کی سرکار ہے یہ

26

ہر وقت غمِ شاہِ زمن تازہ ہے
ہر محفل میں داغوں کا چمن تازہ ہے
شیعوں کے دلوں کے ساتھ ہے درد جدا
جب دیکھیے یہ زخمِ کہن تازہ ہے